12

دُنیا کی تمام اشیاء انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہیں

(فرمودہ ۱۴/اپریل ۱۹۱۶ء)

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ○ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؗ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۔[1]

اللہ تعالیٰ کی وہ مخلوق جو ہماری نظروں کے سامنے ہے اور جس تک ہمارا علم پہنچ سکتا ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام مخلوق میں سے ایک ہی ہستی ایسی ہے کہ جو اپنے اندر ارادہ کی قوت رکھتی ہے اور جس کے اندر اس کے استعمال کی طاقت پیدا کی گئی ہے اور وہ انسان ہے بڑے بڑے کرّے جو زمین کے علاوہ آسمان پر ہیں یعنی سورج۔ چاند اور ستارے۔ پھر زمین اور اس کے اندر کی تمام اشیاء اور خاص کر حیوانات۔ ان تمام پر غور کر کے دیکھا جائے تو سوائے انسان کے سب کی سب ایک خاص قانون کے ماتحت چلتی ہیں اور اس سے ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتیں۔ جس رنگ کا جس طرز اور جس طاقت کے ساتھ خدا نے ان کو پیدا کیا تھا اسکے علاوہ نہ تو انہوں نے کسی بات میں ترقی کی ہے اور نہ ہی تنزّل۔ بے جان چیزیں تو علیحدہ رہیں حیوانات بھی ارادہ اور قوت نہیں رکھتے اور ان میں بھی ترقی کا مادہ نہیں ہے۔ جس دن سے دنیا کی ابتداء ہوئی ہے۔ شیر غاروں میں ہی رہتے ہیں بندر درختوں کے اوپر۔ مچھلیاں پانی کے اندر زندگی گزار رہی ہیں اسی طرح پرندے ہوا میں اُڑتے۔ درختوں پر گھونسلے بناتے چلے آرہے ہیں۔ اس میں کبھی تغیر نہیں ہوا۔ نہ آدم علیہ السلام کے وقت نہ ان کے بعد اور نہ اب۔ بلکہ ایک ہی حالت میں چلے آرہے ہیں۔ بیا ایک عمدہ گونسلا بناتا ہے مگر ایسا ہی حضرت آدمؑ کے زمانہ میں بنایا کرتا تھا۔ اسی طرح فاختہ جس قسم کا آج گھونسلا بناتی ہے آج سے ہزار دو ہزار

[1] (ص: ۲۸-۲۹)

تین ہزار چار ہزار سال پہلے بھی ایسا ہی بناتی تھی۔

مگر انسان کی حالت کبھی ایک حالت پر نہیں رہی۔ بلکہ ہر صدی میں بدلتی رہی ہے۔کوئی زمانہ ایسا تھا کہ انسان بالکل ننگا رہتا تھا۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ درختوں چھالوں اور پتّوں سے اپنا جسم ڈھانکنے لگا۔ پھر جانوروں کی کھالوں کو پہننے لگا۔ پھر کوئی زمانہ ایسا تھا کہ درختوں کی باریک شاخوں سے پتوں میں موریاں نکالکر گھاس کے ریشے ان میں ڈال کر اپنے لئے کپڑے سینے لگا۔ پھر لوہا۔ روئی دریافت ہوئی اور کپڑے بننے اور سیئے جانے لگے۔اس سے ترقی کرتے کرتے آج انسان اس حالت کو پہنچا ہے کہ اتنی قسم کے کپڑے تیار ہو گئے کہ کوئی گن بھی نہیں سکتا اسی طرح ایک وقت تھا جبکہ انسان کچی غذائیں کھاتا تھا۔ پھر سورج کی گرمی سے بھُون کر کھانے لگا۔ پھر آگ دریافت ہوئی تو اس میں ڈال کر پکانے لگا اس سے ترقی کرتے کرتے آج اس حالت کو پہنچا کہ ہزاروں قسم کے نفیس سے نفیس کھانے تیار کرنے لگا۔یہی حال پینے کی چیزوں کا ہے اور یہی سوسائٹی کے تعلقات کا۔غرضیکہ ہر ایک وہ کام جس کا انسان سے تعلق ہے وہ جس حالت میں آج سے سو سال پہلے تھا آج اس سے بڑھ کر حالت میں ہے۔اور آج سے ایک سو سال بعد اَور بڑھ کر ہوگا۔ یہ تو نسلِ انسانی کا تغیّر وتبدل ہے اسی طرح ہر انسان میں بھی تغیر ہوتا ہے۔ایک وہ وقت ہوتا ہے جبکہ انسان بات کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتا۔لیکن ایک وقت آتا ہے کہ خوب بول سکتا ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے جبکہ وہ کچھ پڑھ نہیں سکتا۔لیکن ایک وقت آتا ہے کہ وہ بڑا عالم اور فاضل ہو جاتا ہے تو جس طرح نسل انسانی مجموعی حالت میں ترقی کرتی ہے اسی طرح ہر ایک انسان بھی ترقی کرتا ہے اور ایک ادنیٰ حالت سے لے کر عظیم الشان درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ پیدا ہونے کے وقت تمام بچوں کی ایک ہی حالت ہوتی ہے ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:۔کہ اے انسان تو جس وقت پیدا ہوُا تھا تو رو رہا تھا اور لوگ تجھ پر ہنس رہے تھے (کسی پر ہنسنا اسی کی تحقیر کرنے کے معنوں میں بھی آتا ہے) اب تو ان سے بدلہ لے اور وہ اس طرح کہ ایسے اچھے اعمال کر اور لوگوں کو اتنا فائدہ پہنچا کہ جب تو مرے تو لوگ روئیں اور تو ہنسے اور خوش ہو کہ میں خدا کے پاس جا رہا ہوں۔[1] تو سب بچے روتے ہوئے ننگ دھڑنگ آموجود ہوتے ہیں۔آنحضرت

[1] معانی الادب ۲ بحوالہ دروس الادب ص ۹۰

صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح آئے تھے اور آپ کا بدترین دشمن بھی اسی طرح آیا تھا مگر آپ نے تو ایسی ترقی کی کہ معراج کے وقت جبرائیل بھی پیچھے کھڑا رہا اور آپ سے کہا کہ آپ آگے چلے جائیں مجھ میں آگے جانے کی طاقت نہیں ہے۔تو فرداً فرداً بھی انسانوں کی یہی حالت ہوتی ہے۔انسانوں میں بڑی بڑی ترقیات کے مادے رکھے گئے ہیں اس لئے کوئی انسان ہر وقت ایک حالت پر قائم نہیں رہتا۔اور نہ رہ سکتا ہے اور نہ کوئی قوم رہتی ہے اور نہ رہ سکتی ہے۔وہ حالت جس کا نام کسی قوم کا ایک حالت میں ٹھہرنا رکھا جاتا ہے وہ اصل میں ٹھہرنا نہیں ہوتا بلکہ گرنا ہوتا ہے یعنی اس وقت اس قوم کا گرنا شروع ہو جاتا ہے۔کیونکہ انسان ہر وقت ترقی یا تنزّل کرتا رہتا ہے کبھی نیچے کو آتا ہے تو کبھی اوپر کو جاتا ہے۔یعنی ہر وقت حرکت میں رہتا ہے جب انسان خدا تعالیٰ کی عطا کردہ طاقتوں سے کام لینا چھوڑ دیتا ہے تو نیچے گرنا شروع ہو جاتا ہے۔جس طرح ایک شخص رسّہ کو پکڑ کر اوپر چڑھ رہا ہو وہ جب اپنی طاقت کو کم کرے گا تو نیچے کو آنا شروع ہو جائے گا یہی حال انسانی ترقی کا ہوتا ہے۔

غرض انسان اور دوسری تمام مخلوق میں یہ فرق ہے کہ انسان اپنے اندر ترقی کی اس قدر طاقتیں رکھتا ہے کہ جن کا اندازہ بھی نہیں ہوسکتا۔جو شخص کہتا ہے کہ میں نے انسانی ترقی کا پورا پورا اندازہ کرلیا ہے وہ جھوٹا ہے اور خدا نے اس کے جھوٹ کو اس طرح ثابت کر دیا ہے کہ ایک وقت میں جن باتوں کو انسان اپنی انتہائی ترقی سمجھتے ہیں دوسرا وقت اس سے بڑھ کر ترقی دکھا دیتا ہے تمام دنیا میں ایک ہی ایسا انسان ہؤا ہے جس کی نسبت کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس نے تمام انسانی ترقی کے مدارج حاصل کر لئے ہیں اور وہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر یہ بھی جھوٹ ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو آج سے تیرہ سو سال پہلے تھے وہ آج نہیں ہیں بلکہ بہت بڑھ گئے اور ہر وقت بڑھتے رہتے ہیں۔کیونکہ کروڑوں انسان دن رات آپ کے لئے مل کر صلی اللہ علیہ وسلم کہنے والے ہیں۔پھر جس قدر نیکی دنیا کو آپ سے پہنچ رہی ہے وہ کیا آپ کو ایک درجہ پر رہنے دیتی ہے ہرگز نہیں۔بلکہ آپ اوپر ہی اوپر جا رہے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لئے رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ:۱۱۵) کہنے کا حکم ہؤا تھا۔آپؐ کی وفات کے وقت جو آپ کا درجہ تھا وہ اس سے دس منٹ پہلے سے زیادہ تھا۔اور ہمیشہ زیادہ ہی زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔یہ تو انسان کی حالت ہوئی۔اس کے مقابلہ میں باقی جس

قدر اشیاء ہیں۔ان میں ترقی کا مادہ ہے ہی نہیں وہ ایک حد کے اندر محدود رہتی ہیں اور پھر وہ ارادے اور قدرت سے کوئی کام نہیں کرتیں۔ بلکہ مشین کے طور پر چلتی ہیں۔شیر کو دیکھ لو جس رنگ میں خدا تعالیٰ نے پَیدا کیا تھا اسی رنگ میں اب بھی ہے۔اسی طرح گدھے کو جس رنگ میں پَیدا کیا تھا کہ گھاس کھائے وہ اب بھی گھاس ہی کھاتا ہے اور ویسا ہی ہے جیسے حضرت آدم کے وقت تھا اسی طرح گھوڑا ہے۔اس تمام نظارہ کو دیکھ کر ہمیں ایک بات معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ انسان کے سوا اور کوئی چیز طاقت اور ارادہ نہیں رکھتی بلکہ ان میں انفعالی طاقت ہوتی ہے یعنی ایک دوسری چیز اپنا اثر ڈال کر ان میں تغیر پَیدا کر دیتی ہے اور وہ انسان ہے۔

اس سے پتہ لگا کہ تمام اشیاء جو زمین و آسمان میں یا ان کے درمیان ہیں وہ تمام کی تمام اسی ہستی کی خدمت کے لئے بنائی گئی ہیں اور ان کی خِلقت اس لئے ہوئی ہے کہ انسان ان سے نفع حاصل کرے خواہ سورج ہے یا چاند ہے یا ستارے ہیں یا جو کچھ بھی ہے وہ انسان کے نفع کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار فرمایا ہے۔کہ ان اشیاء کو تمہارے نفع کے لئے پَیدا کیا گیا ہے۔

یہ ایک نادانی کی بحث ہے کہ زمین کے سوا کوئی اور بھی کُرّے ہیں یا نہیں جہاں انسان رہتے ہیں کیونکہ اس بات کی اسے کیا ضرورت ہے وہ اس کرہ سے تعلق رکھتا ہے جس میں وہ رہتا ہے اس لئے وہی اس کے لئے بنایا گیا ہے۔اور کرّوں کا دریافت کرنا تو الگ رہا۔انسان کے اندر ایسی طاقتیں موجود ہیں جو تمام کی تمام یکدم اس پر خود بھی نہیں کھلتیں بلکہ آہستہ آہستہ کھلتی رہتی ہیں اور اس کی ایسی مثال ہے کہ بہت سی اشیاء انسان کی جیب میں ہوں۔اور اسے ان کا علم نہ ہو۔ہاتھ ڈالتا جائے اور نکالتا رہے۔انسان کی ہستی ایک ایسی زنبیل ہے کہ جو کبھی خالی نہیں ہوتی۔ ہمیشہ کچھ نہ کچھ اس سے نکلتا ہی چلا آتا ہے۔

پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ دنیا کی سب اشیاء انسان کے لئے اور صرف اسی ہستی کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے اس کی مسخّر کر دی گئی ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اتنا بڑا کارخانہ اور اس کی تمام اشیاء زمینی اور آسمانی کا

پیدا کرنا اور پھر انسان میں اس قدر روحانی ترقیات کا مادہ رکھنا کہ ختم ہی نہیں ہوسکتا کیا یہ سب کچھ اسی لئے ہے کہ انسان دنیا میں کھائے پیئے اور گزر جائے کھانے پینے کے لحاظ سے تو اور جانور اس سے بہتر ہیں ایک گھوڑا اتنا کھا سکتا ہے جتنا انسان سر پر اٹھا سکتا ہے۔اس کے علاوہ اور چیزیں۔طاقت۔قد۔جسم۔کے لحاظ سے بھی انسان سے بہت بڑی ہیں۔پھر کیا وجہ ہے کہ خدا نے انسان کے لئے ان کو مسخّر کر دیا ہے۔

اس میں ایک بھید ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا نے انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ اس کا خاص خدا سے تعلق ہو۔باقی جس قدر اشیاء انسان کے لئے پَیدا کی ہیں وہ اس لئے نہیں کیں کہ انسان ان پر حکومت کرے اور بس۔بلکہ اس لئے کہ جس قدر سامان وسیع ہوا اسی قدر وسیع نتائج نکلتے ہیں۔دیکھو ترکیب جس قدر زیادہ مقدار میں ہوتی ہے اسی قدر زیادہ نتیجہ پیدا کرتی ہے۔دو ضرب دو چار ہوتے ہیں لیکن اگر ان اعداد کو دو کی بجائے چار کر دیا جائے تو چار ضرب چار سولہ ہو جائیں گے۔تو جس قدر اعداد بڑھاتے جائیں اسی قدر نتائج بڑے نکلتے جائیں گے۔چونکہ انسان کے اعمال ہی اس کی روحانی لڑی کے بڑھانے والے ہوتے ہیں اس لئے جس قدر یہ زیادہ ہوں گے اسی قدر اس کی روحانیت زیادہ ہوگی۔جب انسان کے متعلق بہت سی اشیاء ہوں گی تو جس قدر زیادہ اشیاء سے معاملہ کرے گا اسی قدر زیادہ اس کے اعمال ہوں گے تو دنیا کی تمام اشیاء اس کی ترقی کے لئے پَیدا کی گئی ہیں۔

پس اگر انسان ذرا بھی غور کرے تو اسے پتہ لگ جاتا ہے کہ جب یہ سب اشیاء میرے لئے پَیدا کی گئی ہیں تو ضرور ہے کہ میری پیدائش کی غرض وہ نہیں ہے جو ان کی ہے۔بلکہ کوئی اور اعلیٰ غرض ہے۔اسی بات کو خدا تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو کافر ہو گئے اور کہتے ہیں کہ خدا ہے ہی نہیں اور اگر ہے تو اسے ہمارے اعمال سے کیا تعلق ہے۔کہ ہمیں مرنے کے بعد زندہ کرے اور ہم سے کسی بات کے متعلق پُرسش ہو۔وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ جو کچھ خدا نے پیدا کیا ہے یہ سب لغو ہے۔اس کے پَیدا کرنے سے اس کی کوئی غرض اور منشاء نہیں ہے۔مگر یہ بات نہیں ہے۔ایسا کہنے والے لوگ ہمیشہ نقصان ہی پائیں گے۔کیوں؟ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے لئے پیدا کیا تھا۔اس کو انہوں نے

لغو اور فضول سمجھا۔ لیکن مومن انسان کبھی ایسا گمان نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے اندر کی طاقتیں اسے پکار پکار کر کہتی ہیں کہ ہر وقت تجھے آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہ جو کچھ دنیا میں ہے یہ تیری ہی ترقی کے لئے اسباب پیدا کئے گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ دیکھو ہم نے انسان کی ترقی کے لئے زمین و آسمان میں کس قدر اسباب پیدا کئے ہیں اور کس طرح ہر ایک چیز کو انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے۔ پھر انسان کے اندر کس قدر بڑھنے اور ترقی کرنے کی طاقتیں رکھی ہیں۔ کیا اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ جو لوگ ایماندار ہوتے اور اچھے عمل کرتے ہیں ان کو اور وہ لوگ جو فساد کرتے ہیں ایک ہی جیسا کر دیا جائے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو گویا حیوانوں کی طرح ہی انسانوں کی پیدائش بھی ٹھہرتی۔ کیونکہ تمام حیوانوں کا ایک ہی درجہ ہوتا ہے اگر تمام انسانوں کا بھی ایک ہی درجہ ہوتا اور ان سے ایک ہی قسم کا سلوک کیا جاتا تو گویا انسان کے لئے اس قدر سامان پیدا کرنے اور خود انسان کو پیدا کرنا ایک لغو امر ہوتا۔ مگر خدا تو کوئی لغو بات نہیں کرتا۔

جب یہ بات ہے تو کیا وہ متقیوں کو فاجروں کے برابر کر سکتا ہے ہرگز نہیں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک مؤمن اور دوسرے کافر۔ یا متقی اور فاجر۔ یعنی مومنوں کے مقابلہ میں ایک تو کافر ہوتے ہیں۔ اور ایک وہ جو لفظاً تو مومنوں کی جماعت میں داخل ہوتے ہیں مگر عملاً باغی ہوتے ہیں ان کو فاجر کہا جاتا ہے۔ ان دو قسم کے لوگوں کی نسبت بتا دیا کہ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اعمال کا کوئی نتیجہ نہیں ہوگا۔ جو سلوک متقیوں سے کیا جائے گا وہی ہم سے ہوگا تو غلطی کرتے ہیں کیا ہم ایمان لانیوالے اور نیک اعمال کرنے والوں کو مفسدین فی الارض جیسا کر دیں گے۔ ہرگز نہیں مفسدین فی الارض صرف وہی لوگ نہیں ہوتے جو دنیا میں لڑائی جھگڑا کرتے ہیں بلکہ کفار بھی مفسد فی الارض ہی ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے عقائد درست نہیں ہوتے اور جب عقائد درست نہیں ہوتے تو ان سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ بھی درست نہیں ہوتے بلکہ بُرے اور خطرناک ہوتے ہیں خواہ ایسے لوگ کتنا ہی اچھا کام کریں۔ تو بھی عقائد کے نقص کی وجہ سے اس میں نقص ہی رہے گا اس لئے وہ مومنوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ دوسرے وہ لوگ جو زبان سے تو ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں لیکن عملاً اس کا ثبوت نہیں دیتے وہ متقیوں یعنی ایمان لا کر عملی

طور پر اس کا ثبوت دینے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اس کی گواہی زمین و آسمان اور سب اشیاء دے رہی ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوسکتا اور اگر ایسا ہو جائے تو خدا پر الزام آتا ہے۔ کہ کیا اس نے اتنا بڑا کارخانہ اور تمام ساز و سامان گھوڑے اور گدھے کی طرح کھا پی کر گزر جانے والے انسان کی خاطر پَیدا کیا ہے اس قسم کا کام تو معمولی عقل کا انسان بھی نہیں کرتا چہ جائیکہ خدا ایسا کرے۔ کہ انسان کے لئے یہ سب کچھ تو پیدا کر دے مگر اس کی غرض کچھ نہ ہو۔ کیا کھانے پینے کے لحاظ سے گھوڑے اور گدھے وغیرہ حیوانات انسان کے برابر نہیں ہیں ضرور ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے لئے تمام دنیا کی اشیاء مسخر نہیں کی گئیں۔ اور صرف انسان کے لئے کی ہیں۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ انسان کی پَیدائش کی کوئی اور بہت بڑی غرض ہے۔

غرض دنیا کی ہر ایک چیز انسان کو ہوشیار کر رہی ہے خواہ سورج یا چاند ہو یا ستارے ہوں خواہ زمین کے اوپر کے نظارے ہوں خواہ اس کے نفس کے اندر کی طاقتیں ہوں۔ تمام جانور حتیٰ کہ ایک چڑیا اور طوطا ایک کتّا ایک بلّی ایک مَینا اس کے لئے نصیحت اور سبق ہے۔ یہ ہر چیز اسے کہہ رہی ہے کہ ہم کھانے پینے کے لحاظ سے تمہارے برابر ہیں لیکن تجھے جو ہم پر حکومت دی گئی ہے اور ہمیں تیرے لئے مسخر کیا گیا ہے تو اس میں کوئی بات ضرور ہے اور وہ یہی کہ تا تجھے بتایا جائے کہ ایک دن تیرے تمام اعمال کا محاسبہ ہوگا اور تو خدا تعالیٰ کے حضور اپنے افعال کی جوابدہی کے لئے کھڑا کیا جائے گا لیکن اس واعظ کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ انسان اپنے گھر میں بستر پر آنکھیں بند کر کے اپنے نفس پر غور کرے تو وہی اس کے لئے واعظ ہوگا اور اسے پتہ لگ جائے گا کہ دنیا میں میرا کیا درجہ ہے۔ اور دوسری مخلوق کا کیا۔ مجھ سے خدا کا کیا سلوک ہوگا اور دوسری مخلوق سے کیا۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اسی طرف انسان کو متوجہ کیا ہے۔ اس لئے اس سے وہ نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک بات کا بھی اس سے پتہ لگتا ہے۔ اور وہ یہ کہ بہت لوگ سوال کرتے ہیں کہ ہمیں یہ کیونکر معلوم ہو کہ ہم متقی ہیں یا فاجر اور خدا ہم سے خوش ہے یا ناخوش۔ اس آیت سے یہ سوال بھی حل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے اَمۡ نَجۡعَلُ الۡمُتَّقِیۡنَ کَالۡفُجَّارِ۔(ص:۲۹) کیا متقی اور فاجر برابر ہوتے ہیں۔یعنی نہیں ہوتے۔اس کے متعلق ہر ایک انسان اپنے نفس سے مطالبہ کرسکتا ہے کہ بتاؤ تم سے خدا کا کیا معاملہ ہے۔دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی رنگ میں اپنے مخالف اور موافق لوگ نہ رکھتا ہو وہ اپنا اور اپنے مخالفوں کا اور اپنا اور اپنے ساتھیوں کا مقابلہ کر کے دیکھے۔کہ اگر ہر مصیبت اور ہر تکلیف اور ہر رنج کے وقت خدا مدد کرتا ہے اور کسی حالت میں خواہ رنج کی حالت ہو یا راحت کی وہ مجھے نہیں چھوڑتا اور ہمیشہ دشمنوں پر فتح دیتا ہے اور برخلاف اس کے دشمنوں کو ذلیل ناکام اور نامراد رکھتا ہے تو وہ سمجھ لے۔متقی اور فاجر برابر نہیں ہوسکتے۔مجھ سے چونکہ متقیوں والا سلوک ہورہا ہے اور میرے مخالفین سے فاجروں والا اس لئے مَیں متقیوں میں شامل ہوں۔لیکن اگر اس سے فاجروں والا سلوک ہوتا ہوتو سمجھ لے کہ مجھ میں ضرور نقص ہے اس لئے مجھ سے ایسا سلوک ہورہا ہے ورنہ نہ ہوتا اس سے ہوشیار ہوکر اپنی اصلاح کرنی شروع کردے۔اگر کسی کی خدا تعالیٰ غم کی گھڑیوں میں مدد کرتا اور خوشی کی گھڑیوں میں ساتھ دیتا ہے۔اس کی کوششوں کو بار آور بناتا اور اسے دشمنوں پر غلبہ دیتا ہے تو سمجھ لے کہ مَیں خدا کی رضا اور اس کے صحیح راستہ پر چل رہا ہوں۔اور اگر ایسا نہیں تو وہ سمجھ لے کہ مجھ میں نقص ہے جس کی اصلاح کرنی چاہیئے۔تو اس آیت کی وجہ سے ہر ایک انسان کے لئے اپنے نفس کا موازنہ کرنا آسان ہوگیا۔وہ دیکھ سکتا ہے کہ میں مؤمنانہ راستہ پر چل رہا ہوں یا کافرانہ پر۔متقیانہ قدم اٹھا رہا ہوں یا فاجرانہ۔اس میں شک نہیں کہ مومنوں اور متقیوں پر بھی مصائب آتے ہیں لیکن ایک مومن کو خدا تعالیٰ دشمن کے مقابلہ میں کبھی اس طرح نہیں گراتا کہ اسے کسی گناہ کا مرتکب ہونا پڑے۔یہ مومن اور کافر متقی اور فاجر کے مصائب میں فرق ہے۔مومن اور متقی کو کسی بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت بھی کسی قسم کے فریب۔دغا اور حیلہ سازی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ان باتوں پر خدا اسے کامیابی دیتا ہے۔مگر ایک کافر اور فاجر پر جب ایک مصیبت آتی ہے تو وہ گناہ کی طرف لوٹتا ہے اور گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔پس جب کوئی شخص مصیبت کے وقت ایسا کرتا ہے وہ دیکھے کہ اس کے اندر گناہ کا مادہ تھا۔تب ہی وہ گناہ کی طرف لوٹا ہے۔

مومن اور متقی کو کبھی ایسے واقعات پیش نہیں آئیں گے۔ جو اسے بدی کے لئے مضطر کر دیں اور جسے کوئی ایسا موقع آتا ہے وہ سمجھ لے کہ اس میں نقص ہے۔ پس یہ آیت اپنے نفس کا مطالعہ کرنے کا آسان طریق بتاتی ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ لوگوں کو اور ہماری تمام جماعت کو اس بات کی توفیق دے کہ خدا تعالیٰ نے جو سامان اور طاقتیں ہمیں بخشی ہیں ان کو ہم صحیح طور پر استعمال کر کے اس کا فضل حاصل کرنے کے قابل بنیں۔ اور ایسا نہ ہو کہ ان کے غلط استعمال سے ہمارا قدم کسی اور راہ پر جا پڑے۔

(الفضل ۱۸/اپریل ۱۹۱۶ء)